بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

رسالہ

نوادرِ سخن

یعنی

باب چہارم کتاب نکاتِ سخن

مصنفہ

سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔ اے اڈیٹر اُردوئے معلّٰے کانپور

جسمیں

اُردو زبان کے چند نادر الفاظ کی تفصیل اور تحقیق بڑی کاوش اور کوشش کے ساتھ
مع متعدد مثالوں کے جمع کی گئی ہے۔

جسکو

حاجی شرف الدین نے اپنے

رئیس المطابع واقع شہر کانپور میں چھاپا

اور

طبع اوّل ۵۰۰ جلد　　حسرت موہانی نے شائع کیا　　قیمت فی جلد ۲ر
۱۹۳۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوادرِ سخن

یعنی

باب چہارم کتاب نکات سخن

اس سے قبل کتاب نکات سخن کے تین حصے (۱) متروکات سخن (۲) معائب سخن اور (۳) محاسن سخن پہلے رسالہ اردو کے نمبروں کے ساتھ ضمیمے کے طور پر اور اس کے بعد علیحدہ کتابی شکل میں چھپ کر شائع ہو چکے ہیں باقی دو ابواب یعنی (۴) نوادر سخن اور (۵) اصلاح سخن جنکی جانب توجہ کرنے کا بوجوہ اسوقت تک موقع نہ ملا تھا اب اردوئے معلیٰ میں نقل کیے جاتے ہیں تاکہ نکات سخن کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

واضح ہو کر نوادر سخن کے سلسلے میں مَیں نے زیادہ تر انہیں چیزوں کو لیا ہے جنمیں اردو زبان کے مقررہ قواعد کے علاوہ یا خلاف کوئی غیر معمولی جدت یا ندرت نظر آتی ہے۔ مثلاً:-

(۱) فعل لازم کے ساتھ "نے" کا استعمال

اردو زبان کا یہ عام قاعدہ ہے کہ "نے" علامت فاعل صرف متعدی افعال کے ساتھ استعمال کیجاتی ہے، مثلاً میں نے مارا، اس نے کھایا، تو نے دیکھا، اور افعال لازم کے ساتھ "نے" کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً میں آیا، وہ گیا، تو دوڑا، لیکن بعض افعال مثل رونا اور ہنسنا ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کے ساتھ "نے" کا استعمال متقدمین، متوسطین اور متاخرین سب کے کلام میں موجود نظر آتا، اور بہرحال جائز سمجھا جاتا ہے مثلاً:-

میر حسن: کسی نے بات کہی اور رو دیا اُس نے — یہ حال اب لبِ زار و نزار کا پہنچا

اسیر: لطف اس بجا اٹھایا ہے گرفتاری میں — رو دیا ہم نے جو بدہ کوئی آزاد ہوا

شیفتہ: دیکھ کے چشم غضب کو اسکی ہم نے رو دیا — چاہیے پانی ملا لینا شراب تیز کو

وہ بھی جو نئے ہنسا ... اس نے ہنس دیا — گل کی کلی نسیم سحر سے چٹک گئی

شد گمنڈوی ؎ آنکھیں چار کرتے ہی کس گل نے ہنسا دیا ؛ در پردہ کچھ نگاہوں میں اقرار ہو گیا
تجوید ؎ بڑی سے سوال وصل پر اس نے نیا فقرہ چلا دیا ؛ مسافر ہوں نظر کرنی پڑے گی میری غربت پر
چلنا فعل لازم ہے مگر "فقرہ چلنا" دوسری چیز ہے جس کے ساتھ "نے" کا استعمال ہوتا بھی اور
نہیں بھی ہوتا مثلاً یوں بھی کہتے ہیں کہ میں اُن سے نیا فقرہ چلا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں
میں نے ان سے نیا فقرہ چلا جیسا کہ تجوید نے کہا ہے۔

(۲) سوائے اسکے بجز اس کے وغیرہ

اردو زبان میں عام رواج یہ ہے کہ لفظ "سوا" جب آخر میں استعمال ہوتا ہے تو
"سوا" بولا جاتا ہے۔ مثلاً

زوہانی ؎ کچھ بھی حاصل ہوا نہ بے نخوت کے سوا ؛ شغل بیکار ہیں سب اُن کی محبت کے سوا

نخوت کے سوا، محبت کے سوا، زید کے سوا، میرے سوا، تیرے سوا، اس کے سوا وغیرہ اور
جب ابتدا میں آتا ہے تو عموماً "سوائے" ہو جاتا ہے اور اسکے ساتھ "کے" بھی ضرور ہوتا ہے مثلاً

درد ؎ چھانکے پیچ غم دل کہوں سو کس سے کہوں ؛ سوائے غم کے مرا کوئی غمگسار نہیں
غالب ؎ کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن ؛ سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے
دل ؎ سوائے لطف کے اک بہار میں کیا تھا ؛ بجز پیالہ کف بادہ خوار میں کیا تھا

مگر اس کے خلاف بھی مثالیں موجود ہیں۔ دیکھیے

میر ؎ ہر لیکے تجھے مانگوں ہوں میں تجھی کو ؛ تیرے سوائے غیر اکچھ مدعا نہیں ہے

تیرے کے بعد صرف "سوا" ہونا چاہیے تھا مگر میر نے "تیرے سوائے" کہا ہے اور ہم اس کو
بھی ناجائز نہیں کہہ سکتے اگرچہ ترجیح بلاشبہ "سوا" ہی کو حاصل ہونا چاہیے۔ اسی طرح ابتدا
میں "سوا" کے بجائے "سوائے" کا استعمال بغیر "کے" کے بھی نہ صرف جائز بلکہ بہ ترکیب فارسی
مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً

داغ ؎ لا نہ خرمن ہستی سے کچھ سوائے اجل ؛ سحر ابے دہر مگر اس کے دانے دانے میں
فانی ؎ نصیب ہے جو ہی کیا اللہ ہی یار ہے ؛ سوائے عیش سو تقدیر انتظار میں ہے

جو حال سوائے کا ہے وہی بجز کا بھی ہوتا ہے اور بجائے کا بھی یعنی بہ ترکیب فارسی بجز اور بجائے کے ساتھ کے کا استعمال ہوتا بھی ہے مثلاً

چمن ملہوری: ہے شہر دہ دل میں کیا ہے بجز داغ و زخم کے - اجڑے ہوئے چمن میں بہاریں خزاں کی ہیں

عاشق دہلوی: ہے سبکدوشی ہو کیا قاتل کہ رکھا - بجائے سر کے احسانِ گراں کو

اور نہیں بھی ہوتا مثلاً -

شاداں: سوائے لطف کے اُن کی بدی کیا تھا — بجز پیالہ کیف بادہ خوار میں کیا تھا

اگرچہ ترجیح اسی کو ہے کہ بہ ترکیب فارسی بجز کے ساتھ "کے" کا استعمال ہو جیسا کہ مہاراجہ چندو لال شاداں کے شعر میں ہے۔ اس کے بالکل برخلاف اگر ترکیب فارسی نہ ہو تو اس حالت میں "کے" کا استعمال ضروری ہو جائے گا۔ اگر کے نہ لایا جائے گا۔ تو ناگوار ہوگا مثلاً

رضا علی وحشت: نہیں پائمالی عاشقاں بجز اک نظرہ معاملہ - ترے اختیار کی بات ہے جو کرے یہ کام نگر نگر

یہاں اگر "اک نظر" کی جگہ "یک نظر" ہوتا تو "نہیں پائمالی عاشقاں بجز معاملۂ یک نظر" کافی ہوتا یعنی کے کی ضرورت نہ ہوتی مگر اردو ترکیب کے ساتھ "نہیں پائمالی عاشقاں بجز ایک نظر کے معاملے کے" ہونا چاہیئے تھا۔ مگر وحشت کے شعر میں نہیں ہے اور اسلئے نادرست ہے۔

بجائے کے متعلق عاشق دہلوی کے مندرجہ بالا شعر میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ اگر اس کے مصرعہ ثانی میں "بجائے سر" بروزن مفاعلن ہوتا تو کے کا استعمال بالکل جائز ہوتا مگر عاشق نے "بجائے سر" بروزن مفاعیلن استعمال کیا ہے اور یہ بات نہایت درجہ ناگوار ہے۔

(۳) "میرے" بجائے "اپنے"

انگریزی زبان میں نقل قول کی دو صورتیں جائز سمجھی جاتی ہیں یعنی ڈائرکٹ اسپیچ [illegible] اور ان ڈائرکٹ اسپیچ [illegible] مثلاً زید نے اپنا ارادہ لکھنؤ جانے کا ظاہر کیا ہو تو ہم اُسے دو طرح سے ادا کر سکتے ہیں، ایک اس طرح کہ زید کہتا ہے کہ

"میں کل لکھنؤ جاؤنگا" دوسرے اس طور پر کہ "زید کہتا ہے کہ وہ کل لکھنؤ جائیگا" اور ترجیح دوسری قسم کو دی جاتی ہے۔

اُردو زبان میں اس کے برخلاف ترجیح قسم اول کو دیجاتی ہے بلکہ جب تک انگریزی طرز کی اشاعت ہوئی تھی اسوقت تک کسی کو دوسری قسم کی عبارت لکھنے کا خیال بھی نہ ہوتا تھا۔

یہ حال تو ہوا صیغہ غائب کا۔ اب صیغہ متکلم کو لیجئے کہ انگریزی میں "میں" اور "ہم" کے ساتھ میرا اور ہمارا لازمی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسکے برخلاف اُردو میں میرا اور ہمارا دونوں کی جگہ ایک لفظ اپنا بولتے ہیں مثلاً انگریزی میں کہینگے۔

مجھکو میرا مکان پسند ہے مگر اُردو میں بولینگے کہ مجھے اپنا مکان پسند ہے۔ یا ہمیں اپنا مکان پسند ہے یا مثلاً انگریزی میں کہینگے کہ I am going to my room میں میرے مکان کو جاتا ہوں لیکن اُردو میں یوں کہیں گے کہ میں اپنے مکان کو جاتا ہوں۔

اُردو میں میرے کے بجائے اپنے کا استعمال غالباً محاورہ فارسی کے تتبع میں کیا جاتا ہے اسلئے کہ فارسی میں بھی "من بجانہ من میروم" نہیں کہتے بلکہ "من بجانہ خود میروم" بولتے ہیں۔ اُردو میں خود کا ترجمہ اپنا اور اپنے کیا جاتا ہے اور صحیح کیا جاتا ہے۔

اسمیں شبہ نہیں بعض شعرائے اُردو مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ کے خلاف بھی گئے ہیں مثلاً

غالب ۔ اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں ۔ غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

یہاں غالب نے "مجھے اپنی اوقات" کے بجائے "مجھے میری اوقات" نظم کردیا ہے۔

بیباک شاہجہانپوری ۔ کس کاوش سے کس کا کوسے بلایا گیا ۔ آج معلوم ہوئی ہے مری اوقات مجھے

یہاں بیباک نے "مجھے اپنی اوقات معلوم ہوئی" کی جگہ "مجھے میری اوقات معلوم ہوئی" لکھدیا ہے لیکن ہم ان دو ایک مثالوں کو بطور سند قبول نہیں کرسکتے بلکہ غالب و بیباک کے سہو تغافل پر محمول کرتے ہیں۔

تاہم ایک نکتہ ایسے مواقع پر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جہاں کہیں اس بات کا شبہ ہوسکتا ہو کہ لفظ اپنے متکلم کے لئے استعمال کیا گیا ہو یا مخاطب کے لئے وہاں میرے کے بجائے اپنے نہیں بولا کرتے بلکہ میرا ہی کو ترجیح دیتے ہیں مثلاً اس فقرے میں کہ مجھے اپنے گھر تک

جملہ کہنا ہے "بیشک آپنے ہی" کا استعمال صحیح ہے اسلئے کہ یہاں کوئی دوسرا مخاطب نہیں ہے اسکے بر خلاف اس فقرے میں "مجھے میرے گھر تک پہنچا دیجئے" "آپنے گھر" کے بجائے "میرے گھر" بولنا ہی درست ہوگا اسلئے کہ "مجھے اپنے گھر تک پہنچا دیجئے" سے یہ مفہوم پیدا ہو جائیگا کہ شخص متکلم شخص مخاطب کے گھر پہنچنا چاہتا ہے۔

(۴) لٹا کے بجائے پایا۔ اخفا بجائے مخفی۔ طول بمعنی طویل

سب کو معلوم ہے کہ اخفا مصدر عربی ہے بمعنی "چھپانا" اور طول اسم ہے بمعنی لمبائی لیکن اس بات کو بھی اردو زبان کے نوادر میں داخل سمجھنا چاہیے کہ اکثر اساتذہ نے مخفی کے بجائے اخفا اور طویل کے بجائے طول کو غلط العام کے طور پر نہیں بلکہ بالکل جائز سمجھکر استعمال کیا ہے مثلاً:۔

نسیم دہلوی ؎ طول تھی راہ عدم گھبرا کے سوئے قبر میں
پاؤں پھیلائے بجز تھے دور کی منزل سے ہم

بیخود دہلوی ؎ دل میں چھپکر وہ ستم آرا رہا
حال میرا مجھ سے بھی اخفا رہا

علی ہذا القیاس پایا کو جو فعل متعدی ہے فعل لازم کی طرح بمعنی لٹا استعمال کرنا بھی دہلی و آگرہ کے بعض مستند شاعروں کے نزدیک جائز بلکہ عوام دہلی و آگرہ کی زبان پر آجتک جاری ہے مثلاً

میر ؎ ہمیں آمد میر کل بھا گئی
طرح اسمیں مجنوں کی سب پا گئی

قلق میرٹھی ؎ مرداں بھی نو اروں کے برابر نہیں ہوتا
پاتے ہیں اگر آپ کو تو خنجر نہیں ہوتا

عاشق دہلوی ؎ مثل گرداب رہے چکر میں
در مقصود نہ پایا ہمکو

واضح رہے کہ مندرجہ بالا مثالیں نوادر سخن کی ہیں جنکے عام طور پر جائز سمجھنا اور بلا تکلف استعمال کرنیکو ہم کسی طرح مناسب نہیں سمجھتے۔ "پاتے ہیں" کی جگہ "لٹتے ہیں" اور "پایا ہمکو" کے بجائے "لٹا ہمکو" ہونا چاہیے تھا

(۵) افعال جمع کے ساتھ اسمائے وقت کا بھی جمع استعمال

اردو زبان کا یہ قاعدہ سب کو معلوم ہے کہ عام طور پر اسمائے افعال کے درمیان واحد و جمع ہونے کی حالت میں باہمی مطابقت صرف اسمائے مونث کیلئے لازمی ہوتی ہے۔ اسمائے مذکر میں نہیں ہوتی، مثلاً عورت مونث ہے اسلئے "عورت آئی" اور "عورتیں آئیں" بولینگے یعنی جب اسم جمع ہوگا تو فعل

بھی جمع آئیگا۔ اسکے برخلاف "مرد" مذکر ہے اسلیئے "مرد آیا" اور "مرد آئے" بولتے ہیں یعنی جمع کا اظہار صرف فعل میں کافی سمجھا جاتا ہے۔ اسم دونوں حالتوں میں واحد ہی رہتا ہے۔

اس قاعدہ میں صرف ایک استثنا ہے وہ یہ کہ اگر اسم مذکر کے آخر میں "الف" یا "ہ"[سلہ] ہو تو فعل جمع کے ساتھ اسم کا بھی جمع ہونا لازم ہوگا مثلاً "گھوڑا آیا" اور "گھوڑے آئے" "مرتبہ بڑھا" اور "مرتبے بڑھے" اس استثنا کو "الف" کے حرف علت ہونے سے بھی کوئی علاقہ نہیں ہے اسلیئے کہ اسمائے مذکر کے آخر میں باقی حروف علت یعنی "و" اور "ی" کے ہونے سے بھی مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ میں فرق نہیں پڑتا مثلاً "آنسو نکلا" اور "آنسو نکلے" "موتی ٹوٹا" اور "موتی ٹوٹے"۔

البتہ اسمائے وقت میں سے برس اور پہر کے مانند چند اسماء ضرور ایسے ہیں جو بعض حالتوں میں فعل جمع کے ساتھ "وں" کے ذریعہ سے جمع بنا دیئے جاتے ہیں اور فواد سخن کا ایک نہایت دلچسپ نمونہ پیش کرتے ہیں مثلاً:

ناسخ ؎ برسوں ہوئے سنی نہیں تقریر یار کی — دیکھی نہیں مہینوں سے تصویر یار کی

امیر مینائی ؎ زانو پہ امیر سر کو رکھے — پہروں گذرے کہ رو رہے ہیں۔

غور کیجئے کہ برس اور پہر دونوں مذکر ہیں انکے آخر میں "الف" یا "ہ" بھی نہیں ہے اسلیئے عام طور پر بولتے بھی یونہی ہیں کہ "ایک برس ہوا" اور "دو برس ہوئے" یا "ایک پہر گذرا" اور "چار پہر گذرے" لیکن محاورہ زبان کی ندرت کو ملاحظہ فرمائیے کہ جب بلا تعین مدت بولینگے تو "برس ہوئے" یا "پہر گزرے" کے بجائے "برسوں ہوئے" اور "پہروں گزرے" ہی کہینگے جیسا کہ ناسخ اور امیر نے کہا ہے

(۶) بعض الفاظ ہند کی ندرت

اردو زبان کی خوبی اور فضیلت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس زبان میں ہر غیر زبان کے ضروری اور مناسب الفاظ کو اپنے میں جذب کر لینے کی بہت بڑی گنجائش موجود ہے۔ جہاں بعض مفرد الفاظ بہ تغیر خفیف لوگوں کی زبان پر بے تکلف جاری ہو کر اردو بن گئے ہیں مثلاً ریل۔ لالٹین۔ بگھی۔ پلٹن۔ بسکٹ وغیرہ وہیں بعض فارسی ہندی اور انگریزی

سلہ بعض اسمائے غیر منصرف جیسے صحرا۔ دریا وغیرہ کو اس قاعدہ سے خارج سمجھنا چاہیئے مثلاً "دریا بڑھا" اور "دریا بڑھے" "صحرا اچھا" اور "صحرا اچھے"

الفاظ میں فارسی لفظ دان یا ہندی لفظ گھر بڑھا کر مرکب نام بھی بہت اچھے بنا لئے گئے ہیں
مثلاً اگالدان۔ روشندان۔ پاندان۔ کتاب گھر۔ وغیرہ۔ دیکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ ترکیب
زبان کے مقابلہ میں جمہور کسی قانون اور قاعدے کی پابندی کو اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتی۔
مثلاً فارسی اور ہندی الفاظ کی ترکیب عموماً ناجائز قرار دیجاتی ہے مگر اگال اور دان
کو ملا کر اگالدان بنا لینے میں اس قاعدہ کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ علیٰ ہذا القیاس کہیں
کہیں غیر معروف الفاظ کو اردو بنا لینے کے لئے گھر کا لفظ زائد بھی لگا دیا جاتا ہے مثلاً گرجا گھر
یا اسکول گھر وغیرہ۔ رشک کا مطلع ملاحظہ طلب ہے ؎

اے خدا طفل نصاریٰ ہوں زمر کے سامنے
گھر بنے ایسا کہ ہو اسکول گھر کے سامنے

(۷) مصدر "بھولنا" کے دو طریق استعمال

اردو مصدر "بھولنا" کا استعمال بھی خالی از ندرت نہیں ہے مثلاً
غالبؔ بات تو بھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلادوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا
یہاں "بھولنا" میں مصدر متعدی کی شان پیدا ہے۔ اس کے خلاف مصدر لازم کی
مثالیں ملاحظہ ہوں۔
رشک ؎ محبت کے سبق میں بیفرق ناقص و کامل : کسی کو بھول جاتا ہے کسی کو یاد رہتا ہے
بھول جاتا ہے یعنی سبق بھول جاتا ہے۔ سبق یاد نہیں رہتا۔
لا اعلم ؎ یہ روز روز ترقی حسن ہے اسکا
کہ شکل یار مجھے بھول بھول جاتی ہے
شکل بھول بھول جاتی ہے یعنی یاد نہیں رہتی۔

(۸) مژہ میں "ہ" کا اظہار خفی

مژہ ایک فارسی لفظ ہے اہل زبان اسکے آخر میں جو ہائے ہوز ہے، اسکی پوری آواز
کو ظاہر کرنا خلاف فصاحت سمجھتے ہیں مثلاً نظیری ؎
مژہ را کشادہ دادن ورفتہ یاد کردن ظاہر ہے کہ یہاں "مژہ" بروزن "نگہ" نہیں استعمال

کیا گیا اور "مژہ" میں "ہ" کا اظہار اگر ہے بھی تو نہایت خفی۔ فارسی میں لفظ صلہ کا استعمال بھی قریب قریب اسی طریق پر ہوتا ہے۔ اور فارسی ہی پر کیا موقوف ہے اُردو میں بھی مومن خاں نے لکھا ہے ؎

تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ صلہ و مژہ میں ایک فرق بھی موجود ہے وہ یہ کہ اُردو میں بشرط ضرورت سزا اور مزا کا ہم قافیہ بنا کر صلہ کے بجائے صلا بھی کہہ سکتے ہیں لیکن مژہ کو "مژا" نہیں کہہ سکتے۔

فارسی زبان کی تتبع میں اُردو کے بھی قریب قریب کل اساتذہ نے لفظ مژہ کے استعمال میں "ہ" کے اظہار کو خفی ہی رکھا ہے مثلاً ؎

لکھنوی ؎ چبھتی پھری آنکھ صاحب مژہ تر رہتی ہے :: دیکھ گل چاندنی پہ گلشن قدرت کی بہار

ناظم رامپوری ؎ مقدار ایک قطرۂ خوں مژہ نہیں دل :: حیراں ہوں کہاں سے مژہ خونابہ فشاں ہے

غالب کے شاگرد ذکی نے البتہ اسکا استعمال دوسری طرح بھی کیا ہے اور کہتے ہیں ؎

انکی نگاہ کھینچتی ہے تیغ بید ریغ :: دل میں مژہ چبھونی ہے نشتر بُری طرح

یہاں مژہ بروزن نگہ استعمال کیا گیا مگر ہر شخص اسکے ثقل کو بادنیٰ تامل معلوم کر سکتا ہے

(۹) اپنے کا خاص استعمال خلاف محاورۂ پنجاب

اہل پنجاب غالباً محاورہ انگریزی کے تتبع میں بسا اوقات لفظ "اپنا" اور "اپنے" کو بہت بُری طرح استعمال کرتے ہیں مثلاً "میری ذاتی رائے یہ ہے" یا "خود میری رائے یہ ہے" کے بجائے انگریزی مائی اون my own کا ترجمہ قرار دیکر ان دونوں موقعوں پر "میری اپنی رائے" بولتے ہیں اور اچھا نہیں کرتے جب ۱۹۰۰ء میں راقم حروف نے اقبال کے کلام میں اسی قسم کی بعض خرابیوں کا اعتراض کیا تھا تو ایک صاحب نے جواب میں غالب کا یہ شعر سند میں پیش کیا تھا۔

میرا اپنا جدا معاملہ ہے :: غیر کے لین دین سے کیا کام

حالانکہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ غالب کے شعر میں لفظ اپنا محاورہ کی اسی مذمت کیا تھا

استعمال کیا گیا ہے جو سحر اور جلیل کے مندرجہ ذیل اشعار میں بدرجہ کمال پائی جاتی ہے مثلاً سحر ؎

اپنے جس رنگ میں ہیں خوش ہیں غرض صورتِ گل
مثل شبنم نہیں روتے کبھی خنداں ہو کر

یہاں اپنے کو خود یا ذات کے مفہوم سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں ہے بلکہ وہ ایک محاورہ بحت ہے جسکی خوبی اہل زبان کے سوا دوسرے کی سمجھ میں نہیں آسکتی یا مثلاً جلیل ؎

کوئی شمع کا حال دیکھے نہ دیکھے
لیے اپنے آنسو بہانے سے مطلب

یہاں بھی اگر کوئی "اپنے آنسو" کو "شمع کے آنسو" سمجھے تو اسکی سمجھ پر افسوس اور صد افسوس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

(۱۰) کون بجائے کس

کس کی جگہ "کون سی" یا "کون سے" پرانے لوگوں کی زبان پر آج تک جاری ہے مثلاً کہتے ہیں کہ "اب آپ کا مقدمہ کون سی تاریخ یا کون سے دن پیش ہوگا"۔ کہیں کہیں اساتذہ نے "سی" کو بھی الگ کر کے کس کے بجائے صرف کون کا استعمال بھی جائز رکھا ہے مثلاً۔

نادر ؎ زندہ نہیں کرتے لب جاں بخش سے مجھکو
فرمایئے پھر کون مرض کی ہیں دوا آپ

مرزا کلب حسین خاں نادر جو ناسخ کے شاگرد ہیں انکی زبان کے مستند ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ نوادرِ سخن کی اور مثالیں بھی انکے کلام میں خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہیں مثلاً

(۱۱) "وہ خبر ہوا" بجائے "اُسے خبر ہوئی"

نادر ؎ پہنچے تا آسماں مرے نالے
اپنے کوٹھے پہ وہ خبر ہوا

اس نادر محاورے کی مثالیں متاخرین کے علاوہ موجودہ شعرا کے کلام میں بھی ملتی ہیں مثلاً ؎

داغ ؎ دل کا نظروں سے گرا کر جو ہوئے آپ خبر
ایسے گرتے کو تو دیتے ہیں سہارا جھٹ پٹ

حسرت موہانی ؎ حال کہتا جب تڑپتے ہوئے ہم خبر نہ
بعد مرے ہوا اب میرا خبر کو کیا کروں

(۱۲) "خدا جانے" کی جگہ "معلوم کیا جانے" اور "کیا جانے" بجائے "اور صرف" "جانے"

نادر ۔ پامالی کے دیگی کے باندھی گئی [illegible] — کیوں کھاتی ہے اس سبب تری زلف رسا پیچ

شوق لکھنوی ۔ پہر میں کیا جانئے دل پر مرے کیا ہو گئی — جس نے دیکھا کہہ دیا اب وقت تھوڑا ہی نہیں

حسرت موہانی ۔ دوش تک بھی بلائے جاں پہنچے بال — جانے کیا ہو جو تا کمر پہنچیں

تاج لکھنوی ۔ آفت کا شوخ ہے وہ بلا کا شریر ہے — جانے مری نگاہ میں کیونکر ٹھہر گیا

(۱۳) "نظر آیا" کے بجائے "دکھلائی دیا"

لطافت ۔ وہ غش ہو گئے لے حضرت موسیٰ بیہوش — کیسے دکھلائی دیا تھا سر طور آپ کو کیا

بعض لوگ دکھلائی دیا سے گزر کر نظر آئی دیا بھی بول جاتے ہیں۔

(۱۴) ذرّہ بجائے ذرا

آباد لکھنوی ۔ وہ رشک جو رخ سے اٹھائے نقاب کو — ذرّہ غرور ہی نہ ہے آفتاب کو

ذرّہ غرور یعنی ذرہ برابر غرور۔ ذرا بھی دراصل ذرہ ہی سے نکلا ہے اور اسی سبب سے ذال سے لکھا جاتا ہے۔

(۱۵) غلط و غلت کا استعمال

رسالہ معائب سخن میں لکھا گیا تھا کہ ت اور ط کا قافیہ جیسے غلط وصل وغیرہ کے معیوب اور قابل ترک ہے مثلاً۔ رشک ۔

وقت حساب کثرت امید وصل میں — کہتے ہیں ساٹھ سال کے گنتی غلت ہوئی

واضح ہو کہ اس غزل کے دیگر قوافی صفت سکت وغیرہ ہیں انہیں کی رعایت سے رشک نے غلط کو غلت کر دیا۔ مگر بعد میں علی عظیم صاحب [illegible] کے توجہ دلانے پر معلوم ہوا کہ غلط اور غلت دونوں لغتہً صحیح اور بامعنی لفظ ہیں لیکن دونوں کے مفہوم اور محل استعمال میں نازک فرق ہے اگر گفتگو اور معنا میں غلطی ہو جائے تو اُسے غلط طائے حطی سے لکھنا چاہیئے اگر حساب میں غلطی ہو تو غلت تائے قرشت سے لکھنا چاہیئے۔ رشک کے شعر میں حساب گنتی کے الفاظ موجود ہیں لہٰذا صفت وغیرہ کا قافیہ غلت بموقع

فہرست کتب موجودہ دفتر رسالہ اردوئے معلیٰ کانپور

جلد رسالہ اردوئے معلیٰ بابت ۱۹۲۵ء و ۱۹۲۶ء مکمل مجلد — للعہ

جلد رسالہ اردوئے معلیٰ بابت ۱۹۲۷ء و ۱۹۲۸ء و ۱۹۲۹ء مکمل مجلد — للعہ

دیوان غالب مع شرح از حسرت موہانی مع مقدمہ مفید حالات غالب و تنقید کلام غالب — عہ

کلیات حسرت موہانی یعنی مجموعہ دواوین حسرت از حصہ اول تا حصہ دہم مع ضمیمہ مکمل — ہے

انتخاب کلیات حسرت مع ترجمہ انگریزی از ہاشمی چھاپا ٹائپ قابل دید — عہ

جلد رسالہ اردوئے معلیٰ بابت ۱۹۳۰ء مکمل للعہ بابت ۱۹۳۱ء عہ بابت ۱۹۳۲ء ہے ۱۹۳۳ء عہ ۱۹۳۴ء ہے

انتخاب سخن از حسرت موہانی گیارہ جلدوں میں

یعنی اردو زبان کے جملہ مستند اور صاحب دیوان شعرا کے نایاب کلام کا انتخاب حسب تفصیل ذیل :-

انتخاب سخن جلد اول (سلسلہ شاہ حاتم) یعنی انتخاب دواوین بقا، رنگین، نثار، تاباں، بیدار، ماہر، آمیر، انس، بیتاب، عشرت، طالب، معروف، شاہ نصیر قیمت — ۱۰/

انتخاب سخن جلد دوم (سلسلہ ذوق) دیوان ذوق جملہ دواوین داغ، رسا، جگر قیمت — ۱۰/

انتخاب سخن جلد سوم (سلسلہ مومن) دیوان مومن، تسلیم، نسیم، حسرت موہانی مکمل قیمت — ۳/

" جلد چہارم (سلسلہ مظہر) دیوان حسرت، یقین، حزیں، بشاش و دیوان شاگردان مظہر قیمت — ہر

" جلد پنجم (سلسلہ جرأت) دیوان حسرت، استاد جرأت، دیوان جرأت، غضنفر، رضا، رقت، رعنوی، محنت، نصرت، معروف، محبت، جلیل، مشتاق، رشک، حشمت قیمت — ا/

" جلد ششم (سلسلہ مصحفی) دیوان مصحفی، سرور، منتظر قیمت — ۱۴/

" جلد ہفتم (سلسلہ آتش) دیوان آتش، صبا، جنا، ماہ، قمر، فروغ قیمت — ۶/

" جلد ہشتم (سلسلہ امیر و امیر) دیوان امیر و اسیر و جلیل قیمت — ۱۲/

" جلد نہم (سلسلہ ناسخ) دیوان ناسخ، برق، جلال و آرزو قیمت — ۱۲/

" جلد دہم (سلسلہ غالب) دیوان غالب، مجروح، سالک، حالی، ذکی، شعلہ، شبلی، بسمل قیمت — عہ

" جلد یازدہم (اساتذہ متفرق) دیوان فغاں، ساسخ، رونق، حقیر، ندرت، فانی، عزیز، جعفر — ۱۰۰/

دیوان شاہ حاتم ہر، دیوان میر و رنج عظیم آبادی ۱۰/، دیوان علی میاں کامل لکھنوی ۸/

دیوان سودا (مسدس) ہر، دیوان میر سوز ہر، دیوان نادر خشش بدایونی ۲/

رسالہ محاسن سخن از حسرت موہانی ہر، دیوان توت رائے نظر لکھنوی ۲/

رسالہ معائب سخن از حسرت موہانی ہر، رسالہ متروکات سخن از حسرت موہانی ۶/

ملنے کا پتہ حسرت موہانی دفتر رسالہ اردوئے معلیٰ کانپور